کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا
انگوٹھا[1] دکھایا کہ اترا نہ جا

کہا پھر یہی کچھ نہیں مہ جبیں
لگی ہنس کے کہنے نہیں رے نہیں

یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا
تقیّد سے سب کو بلا کر کہا

کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کرو مت کمی
کہ ہے اک پرستاں میں قید آدمی

جو تم میں سے لاوے گا اُس کی خبر
جواہر کے دوں گا لگا اُس کے پر

یہ سن اپنے سردار کا سب کلام
تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام

ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر
جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر

وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے
تو کچھ اُس کو آئی صدا چاہ سے

کہا کچھ تو ملتا ہے یاں سے سراغ
کہ آتی ہے یاں بوے گلزار داغ

وہ چوکی کے جو دیو تھے جا بجا
لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا

کہا ماہ رخ کا ہے قیدی یہاں
کنویں میں تڑپتا ہے اک نوجواں

وہ تحقیق کر اور لے واں کا بھید
اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید

کیا جا کے فیروز شہ کو سلام
سُن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام

کہا میرا مجرا[2] ہے اب لائیے
جو دینا کہا ہے سو دلوائیے

جو معمول تھا واں کے انعام کا
جواہر کے اُس کو دیے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہرخ کو

یہ بھیجا پھر اس ماہرخ کو پیام
کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام

[1] ٹھینگا دکھانا۔ بے ادائی جتانا۔ چڑھانا ۱۲۔آسی [2] مجرا۔ ادب سے سلام کرنا ۱۲۔آسی

بنی آدموں کو تو چوری سے لا
ٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتا

ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال
تو کیا حال ہو تیرا پھر اے چھنال

عزیزا اپنی رکھتی نہیں جان کو
یہی ہے کہ پھونکوں پرستان کو

ترا ننگ غیرت سے اُڑتا نہیں
تجھے کیا پریزاد جُڑتا نہیں

ہمارا گئی بھول خوف و خطر
لگی رکھنے انسان پر تو نظر

بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال
کنویں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال

اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں
لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں

گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب
ہوئی خوف سے وہ پریشان تب

کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی
کہو اُس کو لے جائے یاں سے کوئی

اگر اب میں لاگو ہوں اُس کی کبھی
تو پھر پھونک دیجو مجھے تم تبھی

پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو
کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو

مرے باپ کو ٹک نہ ہووے خبر
کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں نے اُدھر

یہ سنکر جواب اُس کا فیروز شاہ
چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ

سر چاہ پر جب وہ پہونچا شفیق
کہا اُن کو تھے وہ جو اُس کے رفیق

کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے ہلے
کسی طرح چھاتی سے پتھر ٹلے

کھڑے تھے جو دیو واں جوں پہاڑ
انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ

وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ راہ[1]
دیا پھینک واں سے اُسے مثل کاہ

وہ بادل سا سرکا جو اُس چاہ سے
تو اک نور چمکا شب ماہ سے

[1] سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں رکاوٹ ہو ۱۲۔آسی

اندھیرے سے اس چاہ کے اسکا تن
نظر یوں پڑا جیسے کالے کا من
وہ من ڈالے اُس میں پڑا تھا جواں
کہا اُس پریزاد نے سب کو ہاں
نکالو امانت ابھی اس نمط
کہ لیتے ہیں بو مشک سے جس نمط
تمھیں احتیاط اس کی اب ہے ضرور
سمجھو اسے اپنی پتلی کا نور

داستان کنویں سے نکلنے میں بے نظیر کے

قدح بھر کے لا ساقی باتمیز
کنویں سے نکلتا ہے یوسف عزیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار
ے لالہ گوں سے دکھا لالہ زار
گلابی چھلکتی پلادے مجھے
سماں کوئی ایسا دکھادے مجھے
کہ وہ ماہ نخشب[1] کنویں سے نکل
منازل کو اپنے پھرے برمحل
کوئی دیو تھا واں سکندر نژاد
کنویں میں اُتر کر بحسب مراد
الگ یوں لے آیا کنویں سے نکال
کہ فوارہ جوں آب کو دے اُچھال
لے آیا وہ جوں خضر سوگھات سے
نکال آب حیواں کو ظلمات سے
ہوئی مست اس نازبو سے وہ کل
کہ نکلا وہ سنبل سے مانند گل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں
کہ حرفوں سے جوں ہوویں معنی عیاں

[1] ماہ نخشب نخشب ماوراالنہر کے ایک شہر کا نام جو شہر سبز کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک حکیم ابن عطا نے جو ابن مقنع کے نام سے مشہور ہے۔ پارہ وغیرہ سے ایک چاند بنایا تھا۔ اور وہ چاند دو ماہ تک ہر رات کو کنویں سے نکلتا تھا۔ یہ کنواں پائیں کوہ سیام میں واقع تھا اس چاند کی چیار فرسنگ تک روشنی ہوتی تھی یہ کنواں جس سے چاند نکلتا تھا نخشب سے دو فرسنگ پر واقع تھا ۱۲

وہ جیتا تو نکلا دلے اس طرح
کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
زبس اوپر آنے کا تھا اس کو غم
کہے تو کہ بھرتا تھا اوپر[1] کا دم
جمی خاک تن پر برنگ زمیں
گڑا جیسے نکلے ہے پُتلا کہیں
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں
کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں
وہ تن سرخ جو تھا سو پیلا ہوا
وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اُس کے سنبل سے بال
ہوئے لاغری سے بدن کی وبال
فقط پوست باقی تھا اور استخواں
نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں
بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود
کہ اُلجھی ہو جوں ریسمان کبود
بدن خشک و زرد اس طرح تھا وہ گل
خزاں دیدہ ہو جس طرح برگ گل
وہ ناخن جو تھے اُس کے مثل ہلال
سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدر کمال
یہ دیکھا جو احوال اُس کا تباہ
تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ
بٹھا تخت پر اپنے اُس کو وہاں
لے آیا وہ بیٹھی تھی جوگن جہاں
رکھا تخت اک جا یہ اُس کا چھپا
کہا پھر یہ جا کر کہ نجم النسا
چل اب تو کہ میں اُس کو لایا یہاں
یہ سنتے ہی گھبرا کے بولی کہاں
دوانی تھی از بس وہ اُس ناؤں[2] کی
نہ سر کی رہی سدھ نہ کچھ پانوں کی
کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے
ذرا اُس کی صورت دکھا تو مجھے
کہارے سے چلیو ذرا تھم رہو
کہ شادی بڑی ہے کہیں غم نہ ہو
یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اُس کا ہاتھ
لے آیا وہ جوگن کو واں ساتھ ساتھ

[1] اوپر کا دم بھرنا مراد آخری سانسوں سے ۱۲-آسی [2] نام ۱۲-آسی

گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور
دکھایا اُسے اور کہا کر تو غور

جسے ڈھونڈھتی تھی سو یہ ہے وہی
کہا ہاں لے ہاں یہ وہی ہے وہی

یہ کہہ اور اُس تخت کے پاس آ
کہا اے پریزاد تو اُٹھ ذرا

کر اس تخت کے گرد اک دم پھروں
بلائیں میں دل کھول کر اس کی لوں

کہا اُس نے ہنس کر بھلا دیکھ تو
تو اس بات پر میرے صدقے بھی ہو

کہا اُس نے تب اپنی جوتی دکھا
ارے دیو تو کیوں دوانہ ہوا

غرض وہ پریزاد نیچے اُتر
کھڑا ہو گیا تخت سے ہو اُدھر

یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی
بلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی

گلے لگ کے رونے لگی زار زار
کیا اپنے تن من کو اُس پر نثار

وہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بے نظیر
تو نجم النسا ہے یہ دختِ وزیر

کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ
کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ

کہا تیرے غم نے دوانہ کیا
کہ عالم سے اپنے بگانہ کیا

بغل کھول کر دونوں آپس میں مل
وے رویا کیے دیر تک متصل

بیان اپنا دونوں جو کرنے لگے
دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگے

کہی سرگذشت اُس نے اُس دم تلک
کہ اس طرح پہونچے ہو تم ہم تلک

یہ سُن بے نظیر اپنے دلسوز سے
لگا شاد ہونے اُسی روز سے

کیا ایک دن تو اُنھوں نے مقام
چلے دوسرے دن وہ نزدیک شام

اُسی تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر
کہ تھا نقش مطلوب اُن کا جدھر

وہ جوگن وہ فیروز شاہ اور وہ ماہ
چلے تخت پر بیٹھ اوپر کی راہ

پڑھے حرف مطلب زبس سوچ کر
تو بے کسر بیٹھے مثلث کے گھر

مربع نشیں تھی جو بدر منیر
وہاں اُس کو لائی وہ دختِ وزیر

اُتارا وہیں لا درختوں میں تخت
دوبارہ کھُلے اُن درختوں کے بخت

اکیلی اُتر واں سے آئی ادھر
لیے سوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر

یکایک جو آ وہ قدم پر گری
تو جھجکی وہ شہزادی اور کچھ ڈری

پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ
مرے درد و غم کی بروگن ہے یہ

کہا میری نجم النسا تو ہے جاں
اری تیرے صدقے مری مہرباں

ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی
کہ جینے سے اپنے ہمیں یاس تھی

بہت اُس نے چاہا کہ ہووے کھڑی
کھڑی ہوتے ہوتے وہیں گر پڑی

کہا بارِ غم سے افاقت نہیں
اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں

بلائیں لگی لینے نجم النسا
لگی گرد پھرنے برنگ صبا

اُسے شاہزادی کا تھا حال یاد
جو تو دیکھا تو یاں اُس سے کچھ ہے زیاد

نہ گھر کی وہ رونق نہ اُس کا وہ حال
گلوں سے لگا دل تلک پائمال

پڑے سارے بے داشت دیوار و در
محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر

خواصیں جو تھیں پاس وہ نازنیں
سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں

نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درست
جو چالاک تھی بن گئی وہ بھی سست

ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو دنگ
اُڑا رنگ چہرے کا مثلِ پتنگ

نہ آپس کی چہلیں نہ وہ چہچہے
نہ گانا بجانا نہ وہ قہقہے

غم آلودہ ہر ایک زار و نزار
نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار

غم آلودہ ہر ایک زار و نزار
نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار

جو بیٹھیں تو رونا جو اُٹھیں تو غم
غرض بیٹھتے اُٹھتے اُن پر ستم

چمن سارے ویران سے ہیں پڑے
شجر گل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے

جو خود ہے تو حیران و بیمار سی
کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی

نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس
ضعیف و نحیف و پریشاں اُداس

یہ دیکھ اُس کا احوال نجم النسا
جلی شمع کی طرح آنسو بہا

و لیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم
کیا مثل پروانہ اُس پر ہجوم

سنی ایک نے ایک سے یہ خبر
مبارک سلامت ہوئی یک دگر

کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی
کوئی دوڑ کر اُس سے ملنے لگی

ٹکے کوئی صدقے کے لانے لگی
کوئی سر سے روٹی چھوانے لگی

کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی
ادھر سے کوئی اور اُدھر سے کوئی

حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی
لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی

ہوا سر پہ اُس کے زبس اژدہام
لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام

کہا بیبیو کل کہوں گی میں حال
کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال

وہ انبوہ جب کچھ ہوا برطرف
تو پھر دیکھ نجم النسا ہر طرف

کہا شاہزادی تو آتی نہیں
ادھر اپنی تشریف لاتی نہیں

چلو چل کے آرام ٹک کیجیے
کچھ اک تم سے کہنا ہے سن لیجیے

گئی جبکہ خلوت میں بدر منیر
کہا میں لے آئی ترا بے نظیر

یہ سُن ایک دم تو وہ غش کر گئی
کہے تو کہ حیرت میں آ مر گئی

تعجب سے پوچھا کہ سچ مچ ہے یہ
دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ

کہا مجھ کو سوگند اس جان کی
غلط کہنے والی میں قربان کی

نشاط و خوشی کی خبر یک بیک
نہیں منہ پہ کہنے بیٹھتے بیدھڑک

کہا کیونکہ لائی کہا اس طرح
وہ سب کہہ دیا حال تھا جس طرح

ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں
اور اک اور بندھوا[1] اڑا لائی ہوں

کہا پھر وہ دونوں کہاں ہیں کہا
درختوں میں اُن کو رکھا ہے چھپا

عجب وقت میں میں ہوئی تھی جدا
کہ دلبر کو تیرے دیا لا ملا

مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی
کہ میں تیری خاطر بلا میں پھنسی

سو اب ایک کو تو لے آتی ہوں میں
ہوا[2] دوسرے کو بتاتی ہوں میں

یہ سُن شاہزادی ہنسی کھلکھلا
کہا کیوں اُڑاتی ہے نجم النسا

اری ایک ہی تو بڑی قہر ہے
کہیں تو ہے امرت[3] کہیں زہر ہے

چل اب جو چلے بس زیادہ نہ کر
شتابی اُنھیں جا کے لے آ ادھر

کہا پھر پریزاد کے رو برو
بغیر از کسی کے کہے ہوگی تو

کہا وہ تو ایسا دوانا نہیں
وہ اس بات کو کیا کہے گا نہیں

اگر دل میں کچھ تیرے وسواس ہے
نہیں دور وہ بھی ترے پاس ہے

ذرا پوچھ لیجو تو اس بات کو
کہ وہ رو برو اُس کے ہو یا نہ ہو

یہ سنکر شتابی گئی وہ نگار
لیا جا کے آہستہ اُن کو پکار

چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں
وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکاں

[1] بندھوا - قیدی - پابند - اسیر ۱۲ - آسی [2] ہوا بتانا - ٹالنا - فریب دینا ۱۲ [3] امرت - آب حیات ۱۲ آسی

پھر اُس سے یہ پوچھا کہ اے بے نظیر — کہے تو چلی آئے بدر منیر
کہا خیر ہے تجھ کو رشکِ چمن — چھپے ہے کہیں بھائی سے بھی بہن
مرا جان و مال اُس پہ قربان ہے — کہ اس کے سبب سے مری جان ہے
مرا یہ تو ہمدم ہے دن رات کا — مجھے اس سے پردہ ہے کس بات کا

داستان بے نظیر اور بدر منیر کے ملنے کی اور اس کے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے منہ سے ساقی ملا دے شراب — کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب
یہ سن سن کے باتیں وہ پردہ نشیں — چلی آئی اک ناز سے نازنیں
حیا سے پھر آ کر جو بیٹھی وہ پاس — پھر آ ہی گئے اُس کو ہوش و حواس
اُدھر اشک خونیں اِدھر چشم نم — اُسے اُس کا غم اور اسے اُس کا غم
نہ وہ انگ اس کا نہ وہ اُس کا حال — تن زرد زرد اور رخ لال لال
بہم دو خزاں دیدہ گلزار سے — ملے جیسے بیمار بیمار سے
عجب صحبت آپس میں اُس دم ہوئی — کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ — حیا سے کیے اپنی نیچی نگاہ
سرشک محبت بہانے لگے — اس احوال پر حیف کھانے لگے
اور اس طرف کو شاہزادہ نڈھال — لگا رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر — لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر
چھپا منہ کو اس طرف سے نازنیں — لگی کرنے تر دامن و آستیں

پڑیں غم کی باتیں جو آ درمیاں — یہ روئی کہ لگ گئیں ہچکیاں
غرض دیر تک مل کے روتے رہے — جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے
رخ زرد پر اشک گلگوں بہا — بہار و خزاں کو کیا ایک جا
کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار — سو آنکھوں سے اُن کی دکھائی بہار
پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر — لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر
کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا — زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا
مگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم — کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم
ذرا تن میں آنے دے اس کے تواں — ابھی اس کو رونے کی طاقت کہاں
یہ مُردہ بھلا لائی ہوں میں اس لیے — کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے
وہاں میں نے اس کی نہیں کی دوا — کہ ہے خانۂ یار دار الشفا
لے آئی ہے اس کو محبت کی دھن — جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سُن
اسے وصل کی اپنے دارو پلا — کسی طرح اس نیم جاں کو جلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو — خدا پھر نہ تم کو رُلائے کبھو
نہیں خوشنما پاس آئے ہوئے — رہیں دو جنے منہ پھُلائے ہوئے
یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل — پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل
بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط — اُبلنے لگے دل سے عیش و نشاط
شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا — تکلف سے ہر اک کے آگے دھرا
عجب چہل سے سب نے آپس میں مل — کیا نوش حسب تمنائے دل
پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے — الگ خواب گاہوں میں جا سو گئے